حاصل مطالعہ

مجتبیٰ حسین

ایک ملاقات......... دیمکوں کی ملکہ سے!

ایک زمانہ تھا جب میرا زیادہ تر وقت لائبریریوں میں گزرتا تھا لیکن جب میں نے دیکھا کہ سماج میں جہلا ترقی کرتے چلے جارہے ہیں اور اونچی اونچی کرسیوں پر قبضہ جما چکے ہیں تو میں نے سوچا کہ لعنت ہے ایسے علم پر جس سے علم کی پیاس تو بھلے ہی بجھ جائے لیکن پیٹ کی آگ نہ بجھنے پائے۔ ملک کی یونیورسٹیوں پر غصہ بھی آیا کہ اگر وہ علم کو پھیلانے کے بجائے جہالت کو ہی عام کرنے کا بیڑا اٹھالیتیں تو آج ملک نہ جانے کتنی ترقی کر لیتا۔ اس خیال کے آتے ہی میں نے لائبریریوں کو خیرباد کہا اور پھر کبھی ان کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھا۔
میں .... باہر آکر جہالت کے گر سیکھنے کی کوشش کرتا، یہاں تک کہ سیاستدانوں کی صحبتوں سے بھی فیض یاب ہوا کہ یہ ہستیاں جہالت کا سرچشمہ ہوتی ہیں۔ لیکن یہ گر نہ آیا۔ کسی نے سچ کہا ہے کہ علم کی دولت آدمی کے پاس ایک بار آجاتی ہے تو پھر کبھی نہیں جاتی۔ میں نے لاکھ کوشش کی کہ اپنے اندر یہ جو علم کا افلاس ہے اسے کسی طرح باہر نکالوں اور اس کی جگہ جہالت کی دولت سے اپنے سارے وجود کو مالا مال کردوں مگر یہ کام نہ ہوسکا۔ یہ اور بات ہے کہ ایک عرصہ تک علم سے لگاتار اور مسلسل دور رہنے کی وجہ سے میں نے تھوڑی بہت ترقی ضرور کرلی۔

مگر پچھلے دنوں بات کچھ یوں ہوئی کہ میں اپنے ایک دوست کے ساتھ کہیں جارہا تھا راستے میں اسے اچانک ایک ضروری کام یاد آگیا۔ اس نے کہا کہ وہ دو گھنٹوں میں واپس آجائے گا، تب تک میں یہیں کہیں اس کا انتظار کروں۔ سامنے ایک پارک تھا سوچا کہ یہاں وقت گزار لوں لیکن اس عمر میں نوجوانوں کی مصروفیتوں اور ناخوشگوار حرکتوں میں مخل ہونا پسند نہ آیا۔ سامنے ایک ہوٹل تھا جس میں نہایت اونچی آواز میں موسیقی کو بجا کر گاہکوں کو ہوٹل کے اندر آنے سے روکا جارہا تھا۔ اب وہ پرانی لائبریری ہی برابر میں رہ گئی تھی جس میں میں اپنے زمانۂ جاہلیت میں نہایت پابندی سے جایا کرتا تھا۔ خیال آیا کہ چلو آج لائبریری میں چل کر دیکھتے ہیں کہ "کس حال میں ہیں یاران وطن"۔

افسوس ہوا کہ اب بھی وہاں کچھ لوگ علم کی دولت کو سمیٹنے میں مصروف تھے، چونکہ علم کی دولت چرائی نہیں جاسکتی، اسی لیے ایک صاحب ضروری علم حاصل کرنے کے بعد اپنے سارے گھوڑے بیچ کر کتاب پر سر رکھ کر سو رہے تھے چاروں طرف کتابیں ہی کتابیں تھیں۔ بہت ہی دنوں بعد لسان العصر حضرت شیکسپیر، مصور فطرت علامہ ورڈسورتھ، شمس العلماء تھامس ہارڈی، مصور غم جان کیٹس وغیرہ کی کتابوں کا دیدار کرنے کا موقع ملا۔ میں نے سوچا کہ ان کتابوں میں اب میرے لیے کیا رکھا ہے، کیوں نہ اردو کتابوں کی ورق گردانی کی جائے۔ چنانچہ جب میں لائبریری

کے اردو سیکشن میں داخل ہوا تو یوں لگا جیسے میں کسی بھوت بنگلہ میں داخل ہو گیا ہوں۔ میں خوف زدہ سا ہو گیا، لیکن ڈرتے ڈرتے میں نے گرد میں اٹی ہوئی "کلیات میر" کھولی تو دیکھا کہ اس میں سے ایک موٹی تازی دیمک بھاگنے کی کوشش کر رہی ہے۔ میں اسے مارنا ہی چاہتا تھا کہ اچانک دیمک نے کہا "خبردار! جو مجھے ہاتھ لگایا تو۔ میں دیمکوں کی ملکہ ہوں۔ "باادب باملاحظہ ہوشیار" ابھی ابھی محمد حسین آزاد کی "آب حیات" کا خاتمہ کر کے یہاں پہنچی ہوں۔ جس نے "آب حیات" پی رکھا ہو اسے تم کیا مارو گے۔ "قاتل سے دبنے والے اے آسمان نہیں ہم"

دیمک کے منہ سے اردو مصرعہ کو سن کر میں بھونچکا سا رہ گیا۔ میں نے حیرت سے کہا "تم تو بہت اچھی اردو بول لیتی ہو بلکہ اردو شعروں پر بھی ہاتھ صاف کر لیتی ہو"

بولی "اب تو اردو ادب ہی میرا اوڑھنا بچھونا اور کھانا پینا بن گیا ہے"

پوچھا "کیا اردو زبان تمہیں بہت پسند ہے"؟

بولی "پسند نا پسند کا کیا سوال پیدا ہوتا ہے۔ زندگی میں سب سے بڑی اہمیت آرام اور سکون کی ہوتی ہے جو مجھے یہاں مل جاتا ہے۔ تم جس سماج میں رہتے ہو وہاں آرام، سکون اور شانتی کا دور دور تک کہیں پتا نہیں ہے۔ امن و امان کی تلاش میں مارے مارے پھرتے ہو۔ اب اگر میں یہاں آرام سے رہنے لگی ہوں تو تمہیں کیوں تکلیف ہو رہی ہے۔

میں نے پوچھا لیکن تمہیں یہاں سکون کس طرح مل جاتا ہے۔؟

بولی ان کتابوں کو پڑھنے کے لئے اب یہاں کوئی آتا ہی نہیں ہے۔ مجھے تو یوں لگتا ہے جیسے یہ ساری کتابیں میرے لیے فوڈ کارپوریشن آف انڈیا کا درجہ رکھتی ہیں۔ مجھے تو یقین ہے کہ تم جو اب یہاں آئے ہو تو تم بھی کتابیں پڑھنے کے لئے نہیں آئے ہو۔ کہیں تم خود مصنف تو نہیں ہو؟ میں نے حیرت سے پوچھا تم نے کیسے پہچانا کہ میں مصنف ہوں۔

بولی میں تمہیں جانتی ہوں۔ ایک رسالہ کی ورق نوشی کرتے ہوئے میں نے تمہاری تصویر دیکھی تھی بلکہ تھوڑی سی تصویر کھائی بھی تھی۔ ایک دم بد ذائقہ اور کڑوی کسیلی نکلی۔ حالانکہ وہ تمہاری نوجوانی کی تصویر تھی۔ پھر بھی اتنی کڑوی کہ کئی دنوں تک منہ کا مزہ خراب رہا۔ میں تو بڑی مشکل سے صرف تمہاری آنکھیں ہی کھا سکی تھی۔ کیونکہ تمہارے چہرے میں کھانے کے لئے ہے ہی کیا۔ تم اردو کے مصنفوں میں یہی خرابی ہے کہ تصویریں ہمیشہ اپنی جوانی کی چھپواتے ہو اور تحریریں بچوں کی سی لکھتے ہو۔ اور ہاں خوب یاد آیا تم نے سر سید احمد خاں کو داڑھی کے بغیر دیکھا ہے۔ نہیں دیکھا تو "آثار الصنادید" کی وہ جلد دیکھ لو جو سامنے پڑی ہے۔ ایک دن خیال آیا کہ سر سید داڑھی اور اپنی مخصوص ٹوپی کے بغیر کیسے لگتے ہوں گے۔ اس خیال کے آتے ہی میں نے بڑے جتن کے ساتھ سر سید احمد خان کی ساری داڑھی نہایت احتیاط سے کھالی۔ پھر ٹوپی کا صفایا کیا۔ اب جو سر سید احمد خاں کی کتاب نما تصویر دیکھی تو معاملہ وہی تھا۔ قیس تصویر کے پردے میں بھی عریاں نکلا۔ اور یہ تصویر میرے آرٹ کا ایک نادر نمونہ

ہے۔ مجھے تصویروں میں مسکراہٹیں بہت پسند آتی ہیں۔ مونا لیزا کی مسکراہٹ تو اتنی کھائی کہ اکثر بار بد ہضمی ہو گئی۔ زمانے کو اس کی مسکراہٹ آج تک سمجھ میں نہیں آئی۔ مجھے اس کا ذائقہ سمجھ میں نہیں آیا۔ عجیب کھٹ مٹھا سا ذائقہ ہے۔ کھاتے جاؤ تو بس کھاتے چلے جاؤ۔ بھلے ہی پیٹ بھر جائے لیکن نیت نہیں بھرتی۔

میں نے کہا تم تو آرٹ کے بارے میں بھی بہت کچھ جانتی ہو۔

بولی جب آدمی کا پیٹ بھرا ہوا ہو تو وہ آرٹ اور کلچر کی طرف راغب ہوتا ہے میں نے دیکھا کہ کیڑوں مکوڑوں کا پیٹ بھر جائے تو وہ بھی یہی کرتے ہیں۔ تب احساس ہوا کہ انسانوں اور کیڑوں مکوڑوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔ خیر اب تو تم لوگ بھی اپنی زندگی حشرات الارض کی طرح گزارنے لگے ہو۔

میں نے کہا "اب جبکہ تم نے خاصے اردو ادب کو چاٹ لیا ہے تو یہ بتاؤ یہ تمہیں کیسے لگتا ہے۔"

بولی "شروع شروع میں میرے پلے نہیں پڑتا تھا۔ بڑا ریاض کیا۔ متقدمین کے دیوان چاٹے۔ مشکل یہ ہوئی کہ میں نے سب سے پہلے دیوان غالب پر ہاتھ صاف کرنے کی کوشش کی۔ خاک سمجھ میں نہ آیا۔ لہذا مولوی اسمٰعیل میرٹھی کی آسان اور زود ہضم نظمیں پہلے نوش جان کیں۔ پھر وہ کیا کہتے ہیں آپ کے مفلر والے شاعر وہی جو پانی پت رہتے تھے۔ مگر وہاں کی جنگوں میں شریک نہیں تھے۔ ارے اپنے وہی مولانا حالی۔ انکی نصیحت آمیز شاعری پڑھی۔ شاعری کم کرتے تھے۔ نصیحت زیادہ کرتے تھے۔ وہ تو اچھا ہوا کہ تم لوگوں نے انکی نصیحت پر عمل نہیں کیا۔ اگر کیا ہوتا تو آج تمہارے گلے میں بھی روایات کا ایک بوسیدہ سا مفلر ہوتا۔ اب تو خیر سے سارا ہی اردو ادب میری مٹھی میں ہے۔ سب کو چاٹ چکی ہوں۔ ایک بار غلطی سے جوش ملیح آبادی کی ایک رباعی چاٹ لی۔ طبیعت میں ایسا بھونچال آیا کہ سارا وجود آپے سے باہر ہونے لگا۔ اس کے اثر کو زائل کرنے کے لئے چاروناچار، جانثار اختر کی گھر آنگن والی شاعری چاٹنی پڑھی۔ ویسے تو میں نے دنیا کی کم و بیش ساری ہی زبانوں کی کتابیں چاٹ لی ہیں لیکن اردو شاعروں میں ہی یہ وصف دیکھا کہ اپنے معشوق کو کبھی چین سے بیٹھنے نہیں دیتے۔ کوئی معشوق کے گیسو سنوارنا چاہتا ہے تو کوئی انہیں بکھیر دینا چاہتا ہے۔ کوئی وصل کا طالب ہے تو کوئی ہجر کی لذتوں سے سرشار رہنا چاہتا ہے۔ کوئی معشوق کو کوٹھے پر بلانے کا قائل ہے تو کوئی اس کا دیدار بھی یوں کرنا چاہتا ہے جیسے چوری کر رہا ہو۔ تم لوگ آخر معشوق سے چاہتے کیا ہو۔ اسے ہزار طرح پریشان کیوں کرتے ہو۔ اردو شاعری میں معشوق، خود شاعر سے کہیں زیادہ مصروف نظر آتا ہے۔ یہ بات کسی اور زبان کے معشوق میں نظر نہیں آتی۔ اردو شاعروں کا عشق بھی عجیب و غریب ہے عشق کرنا ہے تو سیدھے سیدھے عشق کرو۔ بھائی کس نے کہا ہے تم سے کہ معشوق کی یاد آئے تو آسمان کی طرف دیکھ کر تارے گنتے رہو۔ اس کی یاد نے زور مارا تو اپنا گریبان پھاڑنے کے لئے بیٹھ جاؤ۔ معلوم ہے کہ کپڑا کتنا مہنگا ہو گیا ہے۔ سیدھے سیدھے معشوق کے پاس جاتے کیوں نہیں۔ اپنے دل کا مدعا بیان کیوں نہیں کرتے۔ عاشق بزدل اور ڈرپوک ہو تو ایسے ہی چونچلے کر کے اپنے دل کو بہلاتا رہتا ہے۔

میں نے کہا۔ اردو ادب پر تو تمہاری گہری نظر ہے۔

بولی۔ اب جو کوئی اس کی طرف نظر اٹھا کر دیکھتا ہی نہیں تو سوچا کہ کیوں نہ میں ہی نظر رکھ لوں۔ پوچھا۔ داغ دہلوی کے کلام کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟

بولی۔ انکا کلام گانے کے چکر میں اچھی خاصی بیبیاں طوائفیں بن گئیں۔ مجھے تو طبلہ اور سارنگی کے بغیر انکا کلام سمجھ میں ہی نہیں آتا۔

اور ہمارے فانی بدایونی؟

بولی ان کے غم پر بے پناہ ہنسی آتی ہے۔ عجیب مضحکہ خیز غم ہے۔

اور مولانا آزاد؟

بولی۔ زندگی بھر ٹھاٹ سے عربی لکھتے رہے اور لوگ اسے اردو سمجھ کر پڑھتے رہے۔ عربی کے کسی ادیب کو اردو میں شاید ہی اتنی شہرت ملی ہو۔

میں نے کہا" یہ بتاؤ تمہیں اردو کی کتابیں کیسی لگتی ہیں"؟

بولی" تمہارا جو ادب لیتھو گرافی کے ذریعہ چھپا ہے اسے کھاؤ تو یوں لگتا ہے جیسے باسی روٹی کے ٹکڑے چبارہی ہوں۔ پھر جگہ جگہ کتابت کی غلطیاں کباب میں ہڈی کی طرح چلی آتی ہیں۔ لیکن جو کتابیں اردو اکیڈمیوں کے جزوی مالی تعاون کے ذریعہ چھپنے لگی ہیں وہ بہت لذیز ہوتی ہیں میں تو جزوی امداد کی چاٹ میں کل کتاب کو ہی کھاجاتی ہوں ان میں ادب ہو یا نہ ہو کھانے میں لذیذ ہوتی ہیں۔ کیونکہ مفت خوری میں جو مزہ ہے۔ وہ محنت کی کمائی میں کہاں۔ اعزازی زندگی گزارنے کی شان ہی جداگانہ ہوتی ہے۔ ہاں ایک بات اور اردو کا مصنف اور شاعر اپنی کتابوں کے دیباچوں میں بات بات پر اس قدر شکریے کیوں ادا کرتا ہے۔ پبلشر اور سرپرستوں وغیرہ کا شکریہ تو خیر پھر بھی برداشت کیا جاسکتا ہے لیکن اردو کا مصنف اس سائیکل رکشہ والے کا بھی شکریہ ادا کرنے پر مجبور نظر آتا ہے۔ جس میں بیٹھ کر وہ کتاب کی پروف ریڈنگ کرنے جاتا تھا۔ اس کا شکریہ ادا کرنے سے یہی لگتا ہے کہ مصنف سائیکل رکشا والے کو کرایہ بھی ادا نہیں کرتا تبھی تو اتنا گڑگڑا کر اور ہاتھ جوڑ جوڑ کر ممنون ہوتا رہتا ہے۔ میں نے تو یہاں تک دیکھا ہے کہ ایک شاعر نے اپنے مجموعہ کلام کی اشاعت کے لئے چمڑے کے ایک بیوپاری کا یوں شکریہ ادا کیا تھا۔ جیسے چمڑے کا یہ بیوپاری نہ ہوتا تو اردو ادب در بدر ٹھوکریں کھاتا پھرتا اور وہ بھی ننگے پاؤں۔ بھیا چمڑے کا کاروبار اور چمڑی کا کاروبار دو الگ الگ چیزیں ہیں۔ تم اپنی شاعری میں چمڑی کا کاروبار کرتے ہو۔ پھر چمڑے کے بیوپاری کو اس کی ساری خباثتوں کے ساتھ ادب میں کیوں لے آتے ہو۔

میں نے کہا کیا تم یہ چاہتی ہو کہ اردو کے ادیب اور شاعر کسی کا شکریہ نہ ادا کریں۔

بولی شکریہ ادا کرنا اچھی بات ہے لیکن اصل میں جس کا شکریہ ادا ہونا چاہیئے اسکا تو ادا کرو۔

میں نے پوچھا مثلاً کس کا؟

شرما کر بولی مجھے کہتے ہوئے لاج سی آتی ہے اردو کے ادیبوں اور شاعروں کو تو اب میرے سوا کسی اور کا شکریہ ادا

بقیہ صفحہ ۶۰ پر